

الفلق

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

کھو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے، اور رات کی تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے، اور گرہوں میں پھونکنے والوں (یا دایلوں) کے شر سے، اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔

۱۔ چونکہ قل رکھیں کالفاظ اس پیغام کا ایک حصہ ہے جو تبلیغ رسالت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بند ربیعہ وحی نازل ہوا ہے، اس لیے اگرچہ اس ارشاد کے اولین مخاطب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر آپ کے بعد ہر مومن بھی اس کا مخاطب ہے۔

۲۔ پناہ مانگنے کے فعل میں لازماً تین اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ ایک بجائے خود پناہ مانگنا۔ دوسرے پناہ مانگنے والا۔ تیسرا وہ جس کی پناہ مانگی جائے۔ پناہ مانگنے سے مراد کسی چیز سے خوف محسوس کر کے اپنے آپ کو اُس سے بچانے کے لیے کسی دوسرے کی حفاظت میں جانا، یا اس کی آڑ لینا، یا اُس سے لپٹ جانا یا اُس کے سایہ میں چلا جانا ہے۔ پناہ مانگنے والا ہر حال وہی شخص ہوتا ہے جو محسوس کرتا ہے کہ جس چیز سے وہ ڈر رہا ہے اس کا مقابلہ وہ خود نہیں کر سکے گا بلکہ وہ اس کا حاجت مند ہے کہ اُس سے بچنے کے لیے دوسرے کی پناہ لے۔ پھر جس کی پناہ مانگی جاتی ہے وہ لازماً کوئی ایسا ہی شخص یا وجود ہوتا ہے جس کے متعلق پناہ لینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اُس خوفناک چیز سے وہی اس کو بچا سکتا ہے۔ اب پناہ کی ایک قسم تو وہ ہے جو قوانین طبعی کے مطابق عالم اسباب کے اندر کسی محسوس مادی چیز یا شخص یا طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً دشمن کے حملہ سے بچنے کے لیے کسی قلعہ میں پناہ لینا، یا گولیوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے خندق یا کسی دیر سے یا کسی دیوار کی آڑ لینا، یا کسی طاقت ور ظالم سے بچنے کے لیے کسی انسان یا قوم یا حکومت کے پاس پناہ لینا، یا دھوپ سے بچنے کے لیے کسی درخت یا عمارت کے سایہ میں پناہ لینا۔ بخلاف اس کے دوسری قسم وہ ہے جس میں ہر طرح کے خطرات اور ہر طرح کی مادی، اخلاقی یا روحانی مضرتوں اور نقصان رساں چیزوں سے کسی فوق الفطری ہستی کی پناہ اس عقیدے کی بنا پر مانگی جاتی ہے کہ وہ ہستی عالم اسباب پر حکمراں ہے اور بالاتر از حس و ادراک طریقے سے وہ اُس شخص کی حفاظت کر سکتی ہے جو اُس کی پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ پناہ کی یہ دوسری قسم ہی نہ صرف سورۃ الفلق

اور سورۃ ناس میں مراد ہے بلکہ قرآن اور حدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہی خاص قسم کی پناہ ہے۔ اور عقیدۂ توحید کا لازمہ یہ ہے کہ اس نوعیت کا تعوذ یا استعاذہ (پناہ مانگنا) اللہ کے سوا کسی اور سے نہ کیا جائے۔ مشرکین اس نوعیت کا تحفظ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں، مثلاً جنوں یا دیوبوں اور دیوتاؤں سے مانگتے تھے اور آج بھی مانگتے ہیں۔ مادہ پرست لوگ اس کے لیے بھی مادی ذرائع و وسائل ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ وہ کسی فوق الفطری طاقت کے قائل نہیں ہیں۔ مگر مومن ایسی تمام آفات و بلیات کے مقابلے میں، جن کو دفع کرنے پر وہ خود اپنے آپ کو قادر نہیں سمجھتا، صرف اللہ کی طرف رجوع کرتا اور اسی کی پناہ مانگتا ہے۔ مثال کے طور پر مشرکین کے متعلق قرآن میں بیان کیا گیا ہے: **وَأَن تَعْلَمَ كَآنَ رِجَالٌ مِّنَ الْأَنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ**، اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگتا کرتے تھے (البقرہ ۶۷)۔ اور اس کی تشریح کرتے ہوئے ہم سورۃ جن حاشیہ ۷ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ مشرکین عرب کو جب رات کسی شخصان وادی میں گزارنی پڑتی تو وہ پکار کر کہتے ”ہم اس وادی کے رب کی (یعنی اُس جن کی جو اس وادی کا مالک ہے) پناہ مانگتے ہیں“ بخلاف اس کے فرعون کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی پیش کردہ عظیم نشانیوں کو دیکھ کر فتَوٰی برُکینہ ”وہ اپنے بل بوتے پر اکر گیا“ (الذاریات، ۳۹)۔ لیکن خدا پرستوں کا ردیہ قرآن میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس چیز کا بھی وہ خوف محسوس کرتے ہیں، خواہ وہ مادی ہو یا اخلاقی یا روحانی، اس کے شر سے بچنے کے لیے وہ خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مریم کے متعلق بیان ہوا ہے کہ جب اچانک تنہائی میں خدا کا فرشتہ ایک مرد کی شکل میں اُن کے سامنے آیا (جب کہ وہ نہ جانتی تھیں کہ یہ فرشتہ ہے) تو انہوں نے کہا **اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ نَقِيًّا** ”اگر تو خدا سے ڈرنے والا آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں“ (مریم ۱۸) حضرت نوح نے جب اللہ تعالیٰ سے ایک بے جا دعا کی اور جواب میں اللہ کی طرف سے اُن پر ڈانٹ پڑی تو انہوں نے فوراً عرض کیا **سَابِّ اِنِّیْ اَعُوذُ بِكَ اِنْ اَسْأَلُكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ** ”میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے“ (ہود ۶۷)۔ حضرت موسیٰ نے جب بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، تو انہوں نے جواب میں فرمایا **اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ** ”میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں“ (البقرہ ۶۷)۔

یہی شان اُن تمام تعوذات کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتب حدیث میں منقول ہوئے ہیں مثال

کے طور پر حضور کی حسب ذیل دعاؤں کو بلا حلفہ کیجئے:

عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في دعائه: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا كُنْتُ أَفْعَلُ - (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان کاموں کے شر سے جو میں نے کیے اور ان کاموں کے شر سے جو میں نے نہیں کیے“ یعنی اگر میں نے کوئی غلط کام کیا ہے تو اس کے بُرے نتیجے سے پناہ مانگتا ہوں، اور اگر کوئی کام جو کرنا چاہیے تھا میں نے نہیں کیا تو اُس کے نقصان سے بھی پناہ مانگتا ہوں، یا اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ جو کام نہ کرنا چاہیے وہ میں کبھی کر گزروں۔

ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیری جو نعمت مجھے حاصل ہے وہ چھین جائے، اور تجھ سے جو عافیت مجھے نصیب ہے وہ نصیب نہ رہے، اور تیرا غضب بیکام ٹوٹ پڑے، اور پناہ مانگتا ہوں تیری ہر طرح کی ناراضی سے۔

زید بن ارقم کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نافع نہ ہو۔ اس دل سے جو تیرا خوف نہ کرے۔ اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو۔ اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ

عن ابن عمر كان من دعاء رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفَجَائَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ - (مسلم)

عن زید بن ارقم كان من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَتَّقِي، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يَسْتَجَابُ - (مسلم)

عن ابی ہریرہؓ کان رسول اللہ صلی

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کیونکہ وہ بدترین چیز ہے جس کے ساتھ کوئی رات گزارے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں خبیات سے کیونکہ وہ بڑی بد باطنی ہے۔“

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ اور جنون اور جذام اور تمام بُری بیماریوں سے۔“

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضورؐ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے: ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے فتنے سے اور مالدار سی اور مفلسی کے شر سے۔“

قطبہ بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”خدا یا، میں برے اخلاق اور برے اعمال اور بری خواہشات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنی سماعت کے شر سے، اور اپنی بصارت کے شر سے، اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے دل کے شر سے، اور اپنی شہوت کے شر سے۔

انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: ”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سُستی اور بزدلی اور

اللہ علیہ وسلم یقول: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ فَانَّهُ یُبْسُ الصَّجِیْمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِیَاَنَةِ فَانَّهٗ یُبْسِتُ الْبِطَانَةُ“
(ابوداؤد)

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجَذَامِ وَتَسْبِیْ الْاَسْقَامِ
(ابوداؤد)

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو بہؤلاء الکلمات اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ الْغِنٰی وَ الْفَقْرِ۔
(ترمذی و ابوداؤد)

عن قطبۃ بن مالک کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَنَکَرِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ (ترمذی)

شکل بن حمید نے حضورؐ سے عرض کیا مجھے کوئی دعا بتائیے۔ فرمایا کہہو:
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَیْتِی۔
(ترمذی و ابوداؤد)

عن انس بن مالک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجَبَنِ وَالْمَهْمِ

وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ (د فی
روایۃ لمسلم) وَضَلَعَ الدِّينَ وَغَلَبَهُ
الرِّجَالُ - (بخاری و مسلم)

عن خولة بنت حكيم السلمية، سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من
نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ
الَّتَامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّ شَيْءٌ
حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْ ذَلِكَ الْمَنْزِلِ -
(مسلم)

بڑھ چاہے اور بخل سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں
قبر کے عذاب اور زندگی و موت کے قتلے سے (اور
مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے) اور قرض کے
بوجھ سے اور اس بات سے کہ لوگ مجھ پر غالب ہوں
خود کہ بنت حکیم سلمیہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو
شخص کسی نئی منزل پر اترے اور یہ الفاظ کہے
کہ ”میں اللہ کے بے عیب کلمات کی پناہ مانگتا
ہوں مخلوقات کے شر سے“، تو اسے کوئی چیز نقصان
نہ پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ اس منزل سے
کوچ کر جائے۔

یہ حضور کے چند تعویذات بطور نمونہ ہم نے احادیث سے نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا
کام ہر خطرے اور شر سے خدا کی پناہ مانگنا ہے نہ کہ کسی اور کی پناہ، اور نہ اس کا یہ کام ہے کہ خدا سے بے نیاز ہو کر
وہ اپنے آپ پر بھروسہ کرے۔

۱۵ اصل میں لفظ رَبُّ الْفَلَقِ استعمال ہوا ہے فلق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ مفسرین کی عظیم
اکثریت نے اس سے مراد رات کی تاریکی کو پھاڑ کر سچیدہ صبح نکالنا لیا ہے کیونکہ عربی زبان میں فلق الصبح کا لفظ
طلوع صبح کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے فَاتِقُ الْاُصْبَاحِ کے الفاظ استعمال
ہوئے ہیں، یعنی ”وہ جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح نکالتا ہے“ (الانعام - ۹۶)۔ فلق کے دوسرے معنی خلتی بھی لیے
گئے ہیں، کیونکہ دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر نکلتی ہیں۔ تمام نباتات بیج اور زمین
کو پھاڑ کر اپنی کونپل نکالتے ہیں۔ تمام حیوانات یا تو رحم مادر سے برآمد ہوتے ہیں، یا انڈا توڑ کر نکلتے ہیں، یا کسی
اور مانع ظہور چیز کو چیر کر باہر آتے ہیں۔ تمام چشمے پھاڑ یا زمین کو شق کر کے نکلتے ہیں۔ دن رات کا پردہ چاک
کر کے نمودار ہوتا ہے۔ بارش کے قطرے بادلوں کو چیر کر زمین کا رخ کرتے ہیں۔ غرض موجودات میں سے ہر
چیز کسی نہ کسی طرح کے اشتقاق کے نتیجے میں عدم سے وجود میں آتی ہے، حتیٰ کہ زمین اور سارے آسمان بھی پہلے

ایک ڈھیر تھے جس کو پھاڑ کر انہیں جدا کیا گیا، کانتَا سَرْتَقًا فَفَتَقْنَاهُمْ - (الانبیاء - ۳۰) پس اس معنی کے لحاظ سے فَلَاق کا لفظ تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔ اب اگر پہلے معنی لیے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں طلوع صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔ اور دوسرے معنی لیے جائیں تو مطلب ہوگا میں تمام خلق کے رب کی پناہ لیتا ہوں اس جگہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات چھوڑ کر اُس کا اسم صفت ”رب“ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ پناہ مانگنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رب، یعنی مالک و پروردگار اور آقا و مربی ہونے کی صفت زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ پھر رَبُّ الْفَلَاق سے مراد اگر طلوع صبح کا رب ہو تو اس کی پناہ لینے کے معنی یہ ہونگے کہ جو رب تارکی کو چھانٹ کر صبح روشن نکالتا ہے میں اس کی پناہ لیتا ہوں تاکہ وہ آفات کے هجوم کو چھانٹ کر میرے لیے عافیت پیدا کر دے، اور اگر اس سے مراد رَبِّ خَلْق ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ میں ساری خلق کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تاکہ وہ اپنی مخلوق کے شر سے مجھے بچائے۔

۳۵ بالفاظ دیگر تمام مخلوقات کے شر سے میں اُس کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس فقرے میں چند باتیں قابل غور ہیں:

اول یہ کہ شر کو پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، بلکہ مخلوقات کی پیدائش کی نسبت اللہ کی طرف اور شر کی نسبت مخلوقات کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اُن شرور سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اُن چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اُس نے پیدا کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو شر کے لیے پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ اُس کا ہر کام خیر اور کسی مصلحت ہی کے لیے ہوتا ہے، البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اُس نے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ اُن کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو، اُن سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ اگر صرف اسی ایک فقرے پر اکتفا کیا جاتا اور بعد کے فقروں میں خاص خاص قسم کی مخلوقات کے شرور سے الگ الگ خدا کی پناہ مانگنے کا نہ بھی ذکر کیا جاتا تو یہ فقرہ مدعا پورا کرنے کے لیے کافی تھا، کیونکہ اس میں خدا کی ساری ہی مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے۔ اس عام استعاذے کے بعد چند مخصوص شرور سے پناہ مانگنے کا ذکر خود بخود یہ معنی دیتا ہے کہ ویسے تو میں خدا کی پیدا کی ہوئی ہر مخلوق کے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، لیکن خاص طور پر وہ چند شرور جن کا ذکر سورۃ فلق کی باقی آیات اور سورۃ ناس میں کیا گیا ہے، ایسے ہیں جن سے خدا کی امان پانے کا میں بہت محتاج ہوں۔

سوم یہ کہ مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں تدبیریں اور مؤثر ترین استعاذہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ اُن کے خالق کی پناہ مانگی جائے، کیونکہ وہ ہر حال اپنی مخلوق پر غالب ہے، اور اُن کے ایسے شرور کو بھی جانتا ہے جنہیں ہم جانتے ہیں اور ایسے شرور سے بھی واقف ہے جنہیں ہم نہیں جانتے۔ لہذا اُس کی پناہ گویا اُس حاکم اعلیٰ کی پناہ ہے جس کے مقابلے کی طاقت کسی مخلوق میں نہیں ہے، اور اس کی پناہ مانگ کر ہم ہر مخلوق کے ہر شر سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں، خواہ وہ ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو۔ نیز اس میں دنیا ہی کے نہیں آخرت کے بھی ہر شر سے استعاذہ شامل ہے۔

چہارم یہ کہ شر کا لفظ نقصان، ضرر، تکلیف اور اَلَم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اُن اسباب کے لیے بھی جو نقصان و ضرر اور تکلیف و اَلَم کے موجب ہوتے ہیں۔ مثلاً بیماری، بھوک، کسی حادثے یا جنگ میں زخمی ہونا، آگ سے جل جانا، سانپ پھوس وغیرہ سے ڈسا جانا، اولاد کی موت کے غم میں مبتلا ہونا، اور ایسے ہی دوسرے شرور پہلے معنی میں شر ہیں، کیونکہ یہ بجائے خود تکلیف اور اذیت ہیں۔ بخلاف اس کے مثال کے طور پر کفر، شرک، اور ہر قسم کے گناہ اور ظلم دوسرے معنی میں شر ہیں کیونکہ ان کا انجام نقصان اور ضرر ہے، اگرچہ بظاہر ان سے فی الوقت کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو، بلکہ بعض گناہوں سے لذت ملتی یا نفع حاصل ہوتا ہو۔ پس شر سے پناہ مانگنا ان دونوں مضمومات کا جامع ہے۔

پنجم یہ کہ شر سے پناہ مانگنے میں دو مفہوم اور بھی شامل ہیں۔ ایک یہ کہ جو شر واقع ہو چکا ہے، بندہ اپنے خدا سے دعا مانگ رہا ہے کہ وہ اسے دفع کر دے۔ دوسرے یہ کہ جو شر واقع نہیں ہوا ہے، بندہ یہ دعا مانگ رہا ہے کہ خدا مجھے اُس شر سے محفوظ رکھے۔

۵۵ مخلوقات کے شر سے عموماً خدا کی پناہ مانگنے کے بعد اب بعض خاص مخلوقات کے شر سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ آیت میں غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ غاسق کے لغوی معنی تاریک کے ہیں چنانچہ قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے اَفْرِجْ الصُّلَّةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ ”غارت قائم کر و زوالِ آفتاب کے وقت سے رات کے اندھیرے تک“ (بنی اسرائیل - ۷۸)۔ اور وَقَب کے معنی داخل ہونے یا چھا جانے کے ہیں۔ رات کی تاریکی کے شر سے خاص طور پر اس لیے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے کہ اکثر جرائم اور مظالم رات ہی کے وقت ہوتے ہیں۔ موزی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں۔ اور عرب میں طوائف الملوکی کا جوہ حال ان آیات کے نزول کے وقت تھا اس میں تو رات بڑی خوفناک چیز تھی، اسی

کے اندھیرے میں چھاپہ مار نکلتے تھے اور بستیوں پر غارت گری کے لیے لوٹ پڑتے تھے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھے وہ بھی رات ہی کے وقت آپ کو قتل کر دینے کی تجویزیں سوچا کرتے تھے تاکہ فائل کا پتہ نہ چل سکے۔ اس لیے اُن تمام شرور و آفات سے خدا کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا جو رات کے وقت نازل ہوتی ہیں۔ یہاں اندھیری رات کے شر سے طلوع فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک اشکال یہ پیش آتا ہے کہ متعدد صحیح احادیث میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت آئی ہے کہ رات کو چاند نکلا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر اس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اللہ کی پناہ مانگو! **هَذَا الْفَاسِقُ إِذَا وَقَبَ**، یعنی یہ الفاسق! **إِذَا وَقَبَ** ہے راحمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، ابن مردودہ۔ اس کی تاویل میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ **إِذَا وَقَبَ** کا مطلب یہاں **إِذَا خَسَفَتْ** ہے، یعنی جبکہ وہ گمنا جائے یا چاند گرہن اس کو ڈھانک لے۔ لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں آیا ہے کہ جس وقت حضورؐ نے چاند کی طرف اشارہ کر کے یہ بات فرمائی تھی اُس وقت وہ گرہن میں تھا۔ اور لغت عرب میں بھی **إِذَا وَقَبَ** کے معنی **إِذَا خَسَفَتْ** کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحیح تاویل یہ ہے کہ چاند نکلنے کا وقت چونکہ رات ہی کو ہوتا ہے، دن کو اگر چاند آسمان پر ہوتا بھی ہے تو روشن نہیں ہوتا، اس لیے حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے (یعنی چاند کے) آنے کے وقت یعنی رات سے خدا کی پناہ مانگو، کیونکہ چاند کی روشنی مدافعت کرنے والے کے لیے اتنی مددگار نہیں ہوتی جتنی حملہ کرنے والے کے لیے ہوتی ہے، اور جرم کا شکار ہونے والے کے لیے اتنی مددگار نہیں ہوتی جتنی مجرم کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اس بنا پر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **إِذَا غَرَبَتِ اشْجَارُ الشَّيَاطِينِ، فَالْكَفُّوا صَبِيحًا نَكَمُوا حِسَابًا**، یعنی اگر درخت شیطانی غروب ہو جائے تو شیطانی ہر طرف پھیل جاتے ہیں، لہذا اپنے بچوں کو گھروں میں سمیٹ لو اور اپنے جانوروں کو باندھ رکھو جب تک رات کی تاریکی ختم نہ ہو جائے۔

۱۵۶ اصل الفاظ میں **تَفَاتَتْ فِي الْعُقَدِ**۔ **عُقَدٌ** جمع ہے **عُقْدَةٍ** کی جس کے معنی گرہ کے ہیں، جیسی مثلاً تاگے یا رستی میں ڈالی جاتی ہے۔ **تَفَاتَتْ** کے معنی پھونکنے کے ہیں۔ **تَفَاتَاتٌ** جمع ہے **تَفَاتَةٍ** کی جس کو اگر علامہ کی طرح سمجھا جائے تو مراد بہت پھونکنے والے مرد ہوں گے، اور اگر اسے مؤنث کا صیغہ سمجھا جائے تو مراد بہت پھونکنے والی عورتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور نفوس یا جماعتیں بھی، کیونکہ عربی میں نفس اور جماعت دونوں مؤنث ہیں۔ گرہ میں

پھونکنے کا لفظ اکثر، بلکہ تمام تر مفسرین کے نزدیک جادو کے لیے استعارہ ہے، کیونکہ جادوگر عموماً کسی ڈور یا تانگے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جانتے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں طلوع فجر کے رب کی پناہ مانگتا ہوں جادوگرہوں یا جادوگرہوں کے شر سے۔ اس مفہوم کی تائید وہ روایات بھی کرتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جادو ہوا تھا تو جبریل علیہ السلام نے آکر حضور کو معوذتین پڑھنے کی ہدایت کی تھی، اور معوذتین میں سے ایک فقرہ ہے جو بڑا براست جادو سے تعلق رکھتا ہے۔ اے یوسف اصفہانی اور زحشری نے نقائات فی العقد کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد عورتوں کی مکاری، اور مردوں کے عزائم اور آراء اور خیالات پر ان کی اثر اندازی ہے اور اس کو جادوگرہی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ عورتوں کی محبت میں مبتلا ہو کر آدمی کا وہ حال ہو جاتا ہے گویا اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ پُر لطف ہے، لیکن اُس تفسیر کے خلاف ہے جو سلف سے مل جاتی ہے۔ اور ان حالات سے بھی یہ مطابقت نہیں رکھتی جن میں معوذتین نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ ہم دریاچے میں یہ ان کر چکے ہیں۔

جادو کے متعلق یہ جان لینا چاہیے کہ اس میں چونکہ دوسرے شخص پر بُرا اثر ڈالنے کے لیے شیطاں یا ارواحِ خبیثہ یا ستاروں کی مدد مانگی جاتی ہے اس لیے قرآن میں اسے کفر کہا گیا ہے: رَمَا كَفَرًا سَلِيمًا وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفُورٌ يَعْلَمُونَ النَّاسُ اتَّيْحَرُوا، سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیطاں نے کفر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے (البقرہ - ۱۰۲)۔ لیکن اگر اُس میں کوئی کلمہ کفر یا کوئی فعل شرک نہ بھی ہو تو وہ بالاتفاق حرام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سات ایسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کی آخرت کو برباد کر دینے والے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا سات غارت گر چیزوں سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو، کسی ایسی جان کو ناسحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوز کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلنا، اور جہولی بھالی عقیقہ بنو بنو عورتوں پر نہ ناک کی تھمت لگانا۔

۷۔ حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہو اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اُس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے یا کم از کم یہ کہ اُس سے ضرور چھین جائے۔ اب یہ سد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے وہ مجھے بھی مل جائے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اُس حالت میں مانگی گئی ہے جب کہ وہ حسد کرے، یعنی اپنے

دل کی آگ بجھانے کے لیے قول یا عمل سے کوئی اقدام کرے۔ کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا اُس وقت تک اُس کا جلنا بجانے خود چاہے بڑا سہی، مگر محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ پھر جب ایسا شر کسی حاسد سے ظاہر ہو تو اُس سے بچنے کے لیے اولین تدبیر یہ ہے کہ اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دوسرے یہ کہ حاسد کی باتوں پر صبر کرے، بے صبر ہو کر ایسی باتیں یا کارروائیاں نہ کرنے لگے جن سے وہ خود بھی اخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آجائے۔ تیسرے یہ کہ حاسد خواہ خدا سے بے خوف اور خلق سے بے شرم ہو کر کیسی ہی بیہودہ حرکتیں کرتا رہے، محسود ہر حال تقویٰ پر قائم رہے۔ چوتھے یہ کہ اپنے دل کو اُس کی فکر سے بالکل فارغ کرے اور اُس کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اُس کی فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار، جب کبھی ایسا موقع آئے کہ محسود اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے، قطع نظر اس سے کہ حاسد کے دل کی جہن محسود کے اس نیک رویہ سے ملتی ہے یا نہیں۔ چھٹے یہ کہ محسود تو عید کے عقیدے کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابِت قدم رہے، کیونکہ جس دل میں تو حیدر بسی ہوئی ہو اس میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پاسکتا۔

